تاجدار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی عربیت

ایک تحقیق ایک پیغام

مولانا عزیز الرحمن الاعظمی

تاجدار نبوت سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور معنوی جمال اور کمال کے اس اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا جس کی بلندی کا کوئی فرد بشر زباں وبیاں سے احاطہ کر سکتا ہے اور نہ انسانی دماغ کی اس تک رسائی ممکن ہے، چنانچہ اس نور مجسم کا کوئی ایمان واطاعت سے معمور مدح خواں اور عقیدت و محبت سے مخمور منقبت نویس جب آپ ﷺ کا وصف بیان کرنے اور خوبیاں گننے بیٹھتا ہے تو ہزار خواہشوں اور لاکھ کوششوں کے باوجود اسے یہ کہہ کر اپنے عجز کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"۔

اور اگر توفیق الٰہی نے کبھی کسی نصیبوں والے کا ساتھ دیا اور اس نے آقائے مدنی کی مدح اور توصیف میں بہت کچھ لکھا اور کہا تو بھی بالآخر یہی کہہ کر اُسے رکنا پڑا" آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری"۔

رسول عربی ﷺ کی سیرت پہ نگاہ ڈالیے اور آپ کی زندگی کے کسی بھی گوشے کو لے لیجیے، ہر وصف کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوگا کہ یہی آپ کا امتیازی وصف ہے۔ کہیں اگر آپ کے حلیہ مبارکہ کی تصویر کشی کی گئی ہے تو کسی آدمی کا جمالیاتی ذوق آپ کی شان جمال اور حسنِ خداداد کی تاب نہیں لاسکتا۔ اور اگر کہیں آپ ﷺ کی دلیری اور غیرت مندی کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی تو غیروں کی ہیبت و دبدبہ ہیچ معلوم ہونے لگا۔ غرضیکہ ارباب ذوق نے اپنے اپنے مزاج و مذاق کے مطابق آپ ﷺ کی صورت و سیرت کو دیکھا، اور آپ کے محاسن و مناقب کو جمع کرنے کی کوشش کی، مگر نتیجہ کار اپنے عجز و قصور کا اقرار کرتے ہوئے یہی کہا۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہارے تو ز داماں گلہ دارد

بلکہ ہم تو یہاں تک کہیں گے (اور شاید بجا) کہ آپ ﷺ کی ہمہ جہت حیات طیبہ کے بہت سارے پہلو ایسے بھی ہیں جن کی طرف آپ ﷺ کے ناقدین اور عقیدت مندوں نے پوری طرح دھیان ہی نہیں کیا، مثلاً آج ایک عام مسلمان بلکہ اچھے خاصے اہل علم و دانش بھی جب ادب کی۔ بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ۔ موجودہ مصنوعی شکل اور مخصوص ساخت و پرداخت کو دیکھتے ہیں اور اس کے منصب سیادت و ریاست پر براجمان ایک خاص وضع قطع رکھنے والے ٹولے پر نگاہ ڈالتے ہیں، جنھوں نے ادب کو مارکیٹ کا انتہائی نفع بخش کاروبار، شہرت کا سستا ترین ذریعہ اور فواحش و منکرات کے لیے سند جواز بنا رکھا ہے اور پھر حبیب مصطفیٰ علیہ الصلاۃ والسلام (فداہ ابی وامی) کا تصور کرتے ہیں، جو انسانیت و شرافت کا اعلیٰ ترین نمونہ، حسن اخلاق و کردار کی نرالی تصویر اور صورت و سیرت کی پاکیزگی میں بے مثال تھے، تو وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ آپ ﷺ کے کلام میں زبان و ادب کے محاسن اور نثر و نظم کی باریکیاں بھی تلاش کی جاسکتی ہیں بلکہ وہ اسے شاید شان رسالت میں گستاخی تصور کرتے ہونگے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح رسول عربیؐ کا ظاہری حسن و جمال اور باطنی صفاء و کمال آپ کے اعجاز و امتیاز کی علامت ہے ایسے ہی آپ کا کلام بھی فصاحت و بلاغت، حلاوت و لطافت، معنویت و تاثیر، جامعیت و سلاست اور حسن ترتیب و ندرت ترکیب کے اعلیٰ ترین معیار کا ہے، جس سے آپ ﷺ کی سلامتیٔ طبع اور ذوقِ سلیم کا بہ آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور ہم سر دست حیات طیبہ کے اسی گوشے پر اپنے مطالعہ کا نچوڑ پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

قرآن کریم کا لفظی و معنوی اعتبار سے اعجاز تو ایسی مسلّمہ حقیقت ہے جس کا انکار کوئی مسلمان نہیں کر سکتا اور اقرار اپنوں کے علاوہ پرایوں نے بھی کیا ہے چنانچہ خود اہل مکہ نے اپنی تمام تر فصاحت و بلاغت کے باوجود اور شدید عناد و عداوت کے علی الرغم اس کا چیلنج قبول کرنے سے عاجز ہو کر اس کا عملاً اعتراف کیا کہ یہ کلام بے نظیر ہے اور مختلف طبقوں کی زبانی شہادتیں اس پر مستزاد ہیں۔ مگر اس میں آقائے نامدار ﷺ کا یقیناً کوئی کردار نہ تھا بلکہ یہ خالص الٰہی اور الہامی کتاب ہے اور بشری قوتوں کی اس تک رسائی (بایں معنیٰ کہ وہ اس کی طرح کلام پیش کریں) ناممکن ہے۔ البتہ یہ ایک مستقل اور جداگانہ موضوع ہے۔ اور چوں کہ قرآن کی اس صفت پر دین اسلام کی حقانیت کا دار و مدار ہے اس لیے اس موضوع کو بہت بڑا قبول و تداول حاصل ہے اور اس پر کافی کام ہوا ہے۔

تاہم ہم یہاں زبان و ادب کے حوالے سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر اور آپ ﷺ کے کلام مبارک سے متعلق خامہ فرسائی کر رہے ہیں، اور اس بحث میں "کلام رسول ﷺ" کا دو حیثیتوں سے جائزہ لیا جائے گا ایک آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کا بحیثیت خود اور دوم آپ ﷺ کے بطور خاص عربی زبان و ادب سے شغف کا۔ جہاں تک آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کی بات ہے تو اس کے متعلق وضاحت سے پہلے فصاحت و بلاغت کا معنی و مفہوم اور اس کی اہمیت ملاحظہ ہو تاکہ آپ کے مناقب و مکارم میں فصاحت و عربیت کی اہمیت و حیثیت کا بھی احساس ہو۔

فصاحت کا لغوی معنی ہے "الإبانة و الظهور" ظہور و وضاحت، خوش بیانی، عربی زبان میں گفتگو کرنا(۱) کلام کے فصیح ہونے کا مطلب ہوتا ہے "خلوصه من ضعف التاليف و تنافر الكلمات مع فصاحتها" (۲) کلام کا ایسا واضح ہونا کہ جس میں ترکیبی کمزوریاں ہوں، اور نہ متوحش کلمات (اجنبی اور مشکل الاداء) اور متکلم کی فصاحت کا مطلب ہوتا ہے "ملكة يقتدر بها علىٰ التعبير عن المقصود بلفظ فصيح" (۳) ایسا ملکہ جس سے متکلم کو اپنا مقصود فصیح لفظوں میں بیان کرنے پہ قدرت حاصل ہو اور بلاغت کا معنی ہے کلام کا مقتضائے حال کے مطابق ہونا۔

پروفیسر ضیاء الدین اصلاحی صاحب "رسول اکرمؐ کی فصاحت و بلاغت" کے نام سے اپنے ایک مقالے میں فصاحت کے متعلق لکھتے ہیں:

> "فصیح کلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ سادہ، سلیس، آسان اور سریع الفہم ہوتا ہے سننے والے کو اسے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی، اس کے الفاظ نہ مشکل، ثقیل اور نامانوس ہوتے ہیں اور نہ بولنے والے کو اس کے ادا کرنے میں دشواری ہوتی ہے، سننے والے کو بھی یہ ناگوار نہیں معلوم ہوتے، یعنی وہ کلام صوتی و سماعی تنافر سے پاک ہوتا ہے، اس کی عبارت اور ترکیب میں اغلاق، تعقید اور پیچیدگی نہیں ہوتی۔" (۴)

بلاغت کا معنی ہے "مطابقة الكلام لمقتضى الحال" (کلام کا موقعہ و محل کے مطابق ہونا) اصلاحی صاحب کلام بلیغ پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

> "بلیغ کلام کا رتبہ اس سے بھی سوا ہوتا ہے، وہ فصیح کلام کی خوبیوں کا متضمن ہونے کے علاوہ اپنے مقصود و مدعیٰ کے لحاظ سے بالکل عیاں اور مقتضائے حال کے مطابق ہوتا ہے، اس میں کہیں سے نہ کوئی جھول ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی گوشہ مخفی اور مستور ہوتا ہے کہ یہ کہا جائے المعنی فی بطن الشاعر۔ اگر کسی کلام میں دور از کار تخیلات اور غیر ضروری محذوفات ہوں تو وہ تاثیر اور دل نشینی سے خالی ہوگا اور سننے والا اس سے اچھی طرح لطف اندوز نہیں ہو سکتا، نپا تلا اور حشو و زوائد سے پاک کلام ہی بلیغ ہوتا ہے۔" (۵)

ویسے تو دین حق بذات خود اس قدر دلکش اور پرتاثیر ہے کہ اس کی عظمت و حقانیت کو قلب سلیم کی گہرائیوں میں اتارنے اور دماغ میں بٹھانے کے لیے کوئی لازمی شرط اور ضروری قید نہیں لگائی گئی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ خوبصورت طرز و تعبیر، دلنشین اسلوبِ بیان اور عمدہ الفاظ و تراکیب سے اس کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اور پھر کوئی حجت باز اور معاند اس پر انگشت نمائی کی جسارت بھی نہیں کر سکتا، یہی وجہ ہے کہ خالق ارض و سما نے اپنے دین کی تعبیر کے لیے مؤثر بلکہ معجز الفاظ و انداز کا انتخاب فرمایا اور تمام کتب و صحف کو اسی لیے عربی زبان میں نازل فرمایا

کہ وہ افصح اللغات ہے جیسے کہ مجمع الزوائد کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے "عن ابی هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم والذى نفس بيده مانزل الله وحياً علىٰ نبى الابالعربيه ثم يكون هوبعد يبلغه قومه بلسانه" (۳۱) آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ نے کوئی وحی نازل نہیں فرمائی مگر عربی، میں پھر ہر رسول نے اس کو اپنی قوم کی زبان میں پیش فرمایا۔

حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کی زبان مبارک میں لکنت تھی جس کے باعث وہ کھل کر بات کرنے پر قادر نہیں تھے مگر چوں کہ یہ ایک پیدائشی اور ان کے اختیار سے خارج امر تھا اس واسطے وہ منجانب اللہ تو اپنی قدرت و وسعت کے مطابق ہی دین کی دعوت پر مامور اور اس کے پابند تھے لیکن انہوں نے دعوت حق کے لیے زبان کی روانی اور فصاحت و سلاست کی غیر معمولی اہمیت کو محسوس کیا، اس واسطے انہوں نے دعا فرمائی "رب اشرح لي صدري ويسرلي أمري واحلل عقدةً من لساني يفقهوا قولي" (٦) اے رب کشادہ کر میرا سینہ اور آسان کر میرا کام، اور کھول دے گرہ میری زبان سے کہ سمجھیں میری بات۔

اور ساتھ ہی اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی ساتھ لیجانے کی اللہ سے اجازت طلب کی کیوں کہ وہ فصاحت میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ قرآن کریم نے ان کے کلام کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے "وأخي هارون هو أفصح منّي لساناً فأرسله معي ردءً ا يصدّقني إني أخاف أن يكذبون" (۷) اور میرا بھائی ہارون، اس کی زبان چلتی ہے مجھ سے زیادہ، سو اس کو بھیج میرے ساتھ مدد کو کہ میری تصدیق کرے، میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھوٹا کریں۔ ان آیات سے داعئ حق اور خصوصاً جب وہ ھادئ عالم بھی ہو۔ کے لیے فصاحت و بلاغت کی کس قدر ضرورت و اہمیت ثابت ہوتی ہے اصحابِ بصیرت اور ارباب عقول کے لیے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں، یہی وجہ ہے کہ عالمگیر اور لازوال نبوت کے حامل نبیٔ آخر الزمان کے لیے فصاحت و بلاغت سے مالا مال ہونے کا اللہ کی جانب سے خصوصی انتظام کیا گیا اور پھر آپ علیہ کو یہ جوہر ملا بھی اس کمال اور وفور کے ساتھ کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ آپ بزبان خود فرماتے ہیں "أنا أفصح العرب بيدأني من قريش" (۸) میں فصیح ترین عرب ہوں علاوہ اس کے کہ میں قریش میں سے ہوں۔ آپ علیہ اسی قول کے مصداق فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ آپ علیہ کا کلام بلاشبہ فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ اور عربیت و قادر الکلامی کا حسین مرقعہ ہوتا تھا تاہم یہ وہ حُسن ہوتا تھا جو دل کو بھاتا اور دماغ کو روشن کرتا ہے اور جو سلامتیِ طبع اور ذوقِ سلیم کا پرتو ہوتا ہے۔ مصنوعی اور مزخرف کاروباری ادب کے خانہ ساز اصول پہ اس کو ہر گز نہ پرکھا جائے اور نام نہاد ادبی باریکیوں اور لطافتوں کو بھی اس میں بالکل تلاش نہ کیا جائے کہ اس کے نتیجے میں ناکامی اور نامرادی کے سوا کچھ نہیں ملتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہی تصنّع و تکلف سے پاک ہونا ہی ادب نبوی علیہ کا طرۂ امتیاز اور اس کی اصلیت کی دلیل ہے، مصنوعی ادب اسی لیے انسانی معاشرے میں کوئی قابل ذکر مقام حاصل کر سکا اور نہ اس نے کوئی ٹھوس تعمیری کردار ادا کیا کیوں کہ وہ قدرتی اور طبعی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ چیستانوں اور اعجوبوں کی طرح لایعنی اور کھوکھلی محفلوں کی زینت بنا اور مخصوص ٹولے کے درمیان گردش کرتا اور پرورش پاتا رہا اور بلاشبہ اس میں نکھار اور جاذبیت پیدا کرنے کے لیے بھی کوششیں ہوتی رہیں مگر بات وہی ہے:

لاکھ زلفوں کو سنوارے بھی تو کیا ہوتا ہے
حُسن انسان کا جب تک کہ خداداد نہ ہو

حسن و قبح کے اس معیار کو سامنے رکھ کر جب آقائے نامدارؐ کا کلام پڑھا جاتا ہے تو اس کی عمدگی اور بلندیٔ شان کا کچھ اندازہ ہو جاتا ہے اور کسی کہنے والی کی یہ کہاوت بے ساختہ زبان پہ وارد ہوتی ہے۔

"قبول خاطر و لطف سخن خداداد است"

امام ترمذی رحمہ اللہ نے آپ علیہ کے کلام کے متعلق ام المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ علیہ کے کلام میں مقصدیت اور افادیت کو کس قدر اولیت حاصل ہوتی تھی۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں "ماكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسرد سردكم هذا ولكنه ، كان يتكلم بكلام بيّن فصل يحفظهٔ من جلس اليه" (۹)

رسول اللہ ﷺ تم لوگوں کی طرح لگا تار اور بلا توقف گفتگو نہیں فرماتے تھے بلکہ آپ ﷺ وضاحت کے ساتھ اس طرح رُک رُک کر کلام فرماتے کہ ساتھ بیٹھنے والے اسے (آسانی سے) ذہن نشین کر لیتے تھے۔

اسی طرح حضرت ھند بن ابی ھالہ رضی اللہ عنہ کلام رسول ﷺ کے متعلق فرماتے ہیں "(کان)...... لایتکلم فی غیرحاجةٍ یفتتح الکلام ویختمه بأشداقه ویتکلم بجوامع الکلم، کلامه فصل لافضول ولاتقصیر"(۹) آپ ﷺ بلاضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے، آپ ﷺ کی گفتگو ابتداء سے انتہا تک منہ بھر کر ہوتی، جامع الفاظ کے ساتھ کلام فرماتے تھے، آپ کا کلام ایک دوسرے سے متمیز ہوتا تھا، نہ اس میں فضولیات ہوتی تھیں اور نہ کوتاہیاں کہ مطلب پوری طرح واضح نہ ہو۔

دیکھا اور غور کیا جائے۔ آپ کے اصحابؓ آپ ﷺ کے کلام کو انہی صفات کا حامل قرار دے رہے ہیں جن میں تعمیر وافادیت کا عنصر جھلملا رہا ہے۔ رہا ابہام، طول لاطائل، نری لفاظی، بے محابا جملہ بازی اور تک بندی اور اس جیسی دیگر خامیاں جس سے "مصنوعی ادب" بھرا پڑا ہے، بلکہ وہ عبارت ہی ان چیزوں سے ہے سو اس سے کلام نبوی ﷺ کوسوں دور ہے۔

عربی زبان کے شہرۂ آفاق اور ممتاز ادیب جاحظ نے کلام نبوی پر جو تبصرہ کیا ہے اس پر مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی وہ فرماتے ہیں:

"آپ کے کلام میں حروف کم اور معانی زیادہ ہوتے ہیں۔ وہ تکلف اور بناوٹ سے پاک ہوتا ہے۔ جہاں بسط وتفصیل کا موقعہ ہوتا ہے وہاں آپ شرح وبسط سے کام لیتے تھے اور جہاں انتصار کا اقتضا ہوتا تھا وہاں مختصر بات کرتے تھے۔ اجنبی، نامانوس، مبتذل اور بازاری الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے، جو کچھ فرماتے تھے وہ حکمت کا انمول خزانہ ہوتا تھا اور عصمت وپاکیزگی اس پر چھائی ہوئی ہوتی تھی۔ ایسے ہی کلام کو اللہ محبوبیت ومقبولیت بخشتا ہے اور وہ وقار وہیبت کا حامل ہوتا ہے۔ مختصر اور قلیل ہونے کے باوجود وہ اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے، سننے والے کے سامنے اسے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی کیوں کہ اس میں کوئی لفظ ساقط نہیں ہوتا۔"(۱۰)

جاحظ نے کلام نبوی ﷺ کے اوصاف ومحاسن کو جن خوب صورت الفاظ میں نقل کیا ہے اُسے بجا طور پر "دریا کو کوزے میں بند کرنے" کا نام دیا جاسکتا ہے اور یوں اگر ایک طرف یہ قطعہ کلام نبوی ﷺ کے امتیاز کو اُجاگر کر رہا ہے تو دوسری طرف اپنی خوبصورتی اور کمال کو بھی بے نقاب کر رہا ہے کہ کسی کلام میں اگر آقا کی مدح کو عمدگی سے سمویا جائے تو اس سے خود اس کلام میں نکہت اور چاشنی پیدا ہو جاتی ہے جیسے کسی کہنے والے نے کہا "ماان مدحت محمدًا بمقالتی: ولکن مدحت مقالتی بمحمدٍ" کچھ اس سے ملے جلے الفاظ آپ ﷺ کے مشہور سیرت نگار حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ کے بھی ہیں وہ فرماتے ہیں:

"زبان کی فصاحت اور کلام کی بلاغت میں آپ ﷺ کا درجہ بہت بلند تھا، اس کے ساتھ ہی آپ میں سلامت وجودت طبع، انوکھا انداز اور ایجاز بھی تھا، الفاظ کی فصاحت اور معانی کی صحت میں بھی آپ ﷺ حد کمال پر فائز تھے۔ آپ ﷺ کی گفتگو میں تکلف اور لفظوں میں تنافر نہیں ہوتا تھا، آپ ﷺ کو جوامع الکلم اور بدائع حکم عطاء کیے گئے تھے، آپ عرب کی مختلف زبانوں سے واقف تھے۔"(۱۱)

ضیاء الدین اصلاحی صاحب آقائے نامدار علیہ الصلوات والتسلیمات کے کلام کی فصاحت بلاغت اور امتیازی شان کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

"سرور دوعالم کا کلام فصاحت وبلاغت کا درخشاں نمونہ اور ادبی حلاوت اور چاشنی سے معمور ہے۔ آپ کی زبان مبارک سے جو لفظ اور جو فقرہ بھی ادا ہوتا تھا وہ ادب وانشاء کی لطافت، رعنائی بیان اور حسن تعبیر کا ضامن اور بلاغت کی جان ہوتا تھا، اس کی تاثیر، دل نشینی دل کشی اور دل آویزی حد بیان سے باہر ہے۔ آپ ﷺ کے مکتوبات، خطبے، احادیث مبارکہ ارشادات عالیہ یہاں تک کہ

آپ ﷺ کی روزمرہ گفتگو بھی حشو وزوائد اور تکلف و تصنع سے پاک اور "ماقلّ و دل" ہوتی تھی، روانی، برجستگی، سلاست، شگفتگی اور سادگی و پرکاری اس کا طرۂ امتیاز ہوتا تھا" (۱۲)۔

یہ ہے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صفت پُر عظمت جس کو سن کر بڑی بڑی عبقریات کی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں اور جس کو بڑی حد تک پردۂ خفاء میں رکھنے کی شعوری یا غیر شعوری مجرمانہ حرکت کی جاری ہے۔ مگر نبی امّی فداہ ابی و امی کی اس محیر العقول، قادر الکلامی کو دیکھ اور سن کر کسی انسان کے دل میں اگر تعجب نہیں تو کم از کم یہ جستجو ضرور پیدا ہوتی ہے کہ آخر یہ بیش قیمت جوہر اور جُہد طلب صلاحیت اس شخص کو ناقابل یقین حد تک کس طرح حاصل ہوئی جس نے کبھی خامہ و قرطاس کو ہاتھ ہی نہیں لگایا اور کسی فرد بشر کے سامنے ایک لمحے کے لیے بھی زانوائے تلمذ تہہ نہیں کیا۔ اس واسطے آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت کے بعض ظاہری اسباب اور عوامل کو طشت از بام کرنا موقعہ و محل کی مناسبت سے ضروری معلوم ہوتا ہے، احادیث اور تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں۔

❶ آپ کی فصاحت و بلاغت اور زبان دانی فطری اور خداداد تھی، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے "اَدَّبنی ربِّی فاحسنَ تادیبی" مجھے میرے رب نے (ادب) سکھایا اور خوب سکھایا۔ ❷ آپ ﷺ کی پرورش قبیلہ بنی سعد میں ہوئی تھی جیسے کہ آپ فرماتے ہیں "رُبیتُ فی بني سعدٍ" اور یہ قبیلہ اپنی زبان کی صحت اور فصاحت کے حوالے سے مشہور تھا۔ ❸ آپ ﷺ کا تعلق قریش کے خاندان اور بنو عبد مناف کے گھرانے سے تھا جو زبان دانی اور فصاحت و بلاغت میں سب سے ممتاز تھے۔ ❹ اور سب سے اہم سبب آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت کا یہ تھا کہ آپ ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا جس سے زیادہ فصیح اور بلیغ کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا اس کی زبان و اسلوب اور طرز ادا کا اثر آپ کے کلام پر بھی پڑا، اور آپ ﷺ کا کلام اگر اعجاز کی نہیں تو امتیاز کی حد تک ضرور پہنچا اور اس چوتھی وجہ کی تائید بیہقی کی ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

اس روایت میں آپ ﷺ کی ایک پُر مغز اور ادب و بلاغت کی چاشنی سے لبریز گفتگو کو نقل کیا گیا جس کے بعد ایک فدائی رسول ﷺ نے عقیدت و تعجب کے ملے جلے تاثر کا ان الفاظ میں اظہار کیا "یارسول الله ما أفصحك مارأينا الذي هو أعرب منك؟"

اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ کس قدر فصیح ہیں، ہم نے تو آپ ﷺ سے زیادہ عربیت و فصاحت کا حامل کسی کو نہیں دیکھا!

آقائے دو عالم نے اس کے تاثر کو بجا قرار دیتے ہوئے اس کی وجہ بیان فرمائی۔ فرمایا: "حق لی فإنما انزل القرآن علیَّ بلسان عربیٍّ مبین" (۱۳)

"میرا حق ہے (فصیح ترین ہونا) کیوں کہ مجھ پر فصیح عربی زبان میں قرآن اتارا گیا"

آپ کی عربیت

کلام رسول ﷺ کا ایک رُخ اگر اس کا فصیح ہونا ہے تو دوسرا رخ اس کا عربی ہونا ہے۔ غور کیا جائے تو پیغمبر اسلام کا کمال فصاحت و بلاغت ہی آپ ﷺ کی عربی زبان و ادب کے نشیب و فراز سے گہری واقفیت، اس کے اسالیب و تعبیرات پر مضبوط گرفت اور اس کے رموز و اسرار اور محاسن و لطائف کے ذوق سے مالا مال ہونے کی اتنی بڑی دلیل ہے جس کے بعد آپ ﷺ کا عربی زبان سے رشتہ اور علاقہ کسی اور برہان اور بیان کا محتاج نہیں رہتا کہ ظاہر ہے یہ کمال (فصاحت و بلاغت) آپ کو عربی زبان ہی میں حاصل تھا، لیکن جہاں کوئی سوچنے سمجھنے والا آپ ﷺ کی اس فصاحت و بلاغت کو کمال عربیت کا نام دے سکتا ہے، وہاں یہ خیال بھی پیدا ہو کہ پروان چڑھ سکتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی یہ فصاحت و بلاغت آپ کے جمال کی طرح ایک وہبی اور غیر اختیاری وصف تھی جس میں امت کے لیے کوئی کشش ہو سکتی ہے اور نہ آپ ﷺ کے پیرووں کے لیے کوئی پیغام...... اور یا یہ سوچا جا سکتا ہے کہ فصاحت فی نفسہ ایک ایسی خوبی ہے جو چاہے کسی بھی زبان میں ہو قابل تحسین اور لائق تعریف ہے، اور پیغمبر خدا کی فصاحت و بلاغت سے ہمیں یہی سبق مل رہا ہے کہ ہم اپنی زبانوں (بولیوں) میں فصاحت و بلاغت کے جوہر سے متصف ہوں، حالانکہ یہ ہر دو خیالات انتہائی غیر معقول اور ناقابل قبول ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ محمد عربی ﷺ کی فصاحت و بلاغت میں

اللہ کی قدرت ومشیت کی کارفرمائی کا انکار نہیں مگر اپنے دین کے علمبردار اور خلق خدا کو الہٰ برحق کی طرف بلانے والے حبیب مصطفیٰ ﷺ کے لیے جو خالق ارض وسمانے اس کا اہتمام فرمایا اس سے اس صفت کی غیر معمولی قیمت واہمیت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور پھر یہ بجا ہے کہ فصاحت بذات خود بھی چاہے وہ کسی بھی زبان میں ہو کسی نہ کسی درجے میں ایک فضیلت ہے۔ مگر رسول خدا کا شغف صرف عربی زبان کے ساتھ تھا اور اسی میں فصاحت وبلاغت اور مہارت وکمال کو آپ کے ہاں اہمیت حاصل تھی، دوسری زبان میں فصاحت اور رسوخ کو کبھی آپ نے بنظر استحسان نہیں دیکھا اور اس کی مذمت اگر آپ ﷺ سے بہ تحقیق ثابت نہ بھی ہو تو کم از کم آپ ﷺ کی طرف منسوب ضرور ہے جیسے کہ کئی روایتوں میں اس کی تصریح موجود ہے اور وہ روایات اگر ضعیف بھی ہوں تو بھی عربی زبان کی افضلیت اور دوسری زبانوں کا غیر پسندیدہ ہونا ان سے بہرحال ثابت ہوتا ہے۔ ان روایات میں سے ایک روایت وہ ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”من یحسن ان یتکلم بالعربیة فلایتکلم بالعجمیة فإنه یورث النفاق“ (۱۴) جو کوئی عربی اچھی طرح بول سکتا ہو اسے چاہیے کہ غیر عربی میں بات نہ کرے کہ یہ نفاق پیدا کرتا ہے۔“

دوسری روایت وہ ہے جو امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں نقل کی ہے (اور دوسری کتب میں بھی اختلاف لفظ کے ساتھ مروی ہے) اس کے آخری الفاظ یہ ہیں ”فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ويحك ياسلمان أحب العرب لثلاث، نبيك عربي وقرآنك عربي، ولسانك في الجنة عربي“ (۱۵)۔ سلمان (فارسی)! تیرا بھلا ہو عرب سے محبت کرنا، تین وجوہ سے۔ اس لیے کہ تیرا نبی عربی ہے اور تیرا قرآن عربی ہے اور تیری زبان جنت میں عربی ہوگی۔

ان روایات پر سرسری نظر ڈالنے سے جو مقصد مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ عربی زبان سے محض ایک زبان کی حیثیت سے تعلق اور اس کی اولیت شریعت مصطفویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات) میں کوئی مطلوب اور محبوب چیز نہیں ہے، بلکہ اس کے بعض اہم ترین معنوی اسباب اور جلیل القدر مقاصد ہیں جن میں سے ایک رسول کریم محبوب دوعالم ﷺ کے ساتھ مشابہت ومماثلت ہے جو عشق رسول ﷺ اور اتباع نبی کا مقتضیٰ اور سعادت دارین کی دلیل ہے۔ اور دوسرا مقصد عربی دانی کا یہ ہے کہ یہ قرآن فہمی کا ذریعہ ووسیلہ بنے گی اور وصول الی الحق کے لیے اہم ترین شاہراہ ثابت ہوگی۔

اس واسطے روایت میں عجمی زبانوں میں بات کرنے سے اس صورت میں منع کیا گیا ہے جب عربی پر مضبوط گرفت اور قدرت حاصل ہو، کہ برائے نام عربی دانی سے قرآن فہمی کا مقصد حاصل نہیں کیا جاسکتا لہٰذا اس کی کوئی فضیلت بھی نہیں۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس پر مفصل کلام فرمایا ہے اور عربی زبان کو شعارِ اسلام قرار دیا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں کہ ”عربی زبان“ امور دین سے ہے اور اس کا سیکھنا واجبات میں سے ہے اس لیے کہ قرآن وحدیث کا سمجھنا فرض ہے اور بغیر لغت عربیہ کے نہیں سمجھا جاسکتا ہے اور جو چیز تحصیل واجب کا ذریعہ ہو وہ واجب ہوتی ہے۔“ (۱۶)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: ”ہم میں وہ شخص نیک بخت ہے جو عربی زبان، صرف ونحو اور کتب ادب سے مناسبت پیدا کرے اور حدیث وقرآن میں مہارت حاصل کرے۔“ (۱۷)

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے رسالہ المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ“ میں ایک جگہ فرماتے ہیں ”ہم لوگ مسافر ہیں کہ ہمارے بزرگ ہندوستان میں مسافرانہ آئے ہیں، عربی نسب اور عربی زبان دونوں پر ہمیں فخر ہے۔ کیوں کہ یہ دونوں چیزیں ہمیں سید الاولین والآخرین افضل الانبیاء والمرسلین فخر موجودات علیہ والہ الصلوٰت والتسلیمات سے قریب کرتی ہیں۔“ (۱۸)

مذکورہ عبارات میں یہی بات بیان کی گئی ہے کہ عربی زبان کو کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے افضلیت اور اہمیت حاصل ہے کسی اور چیز کی بناء پر نہیں۔ قرآن مجید بلاشبہ ہدایت کا منبع اور دین حق کی اساس ہے اور اس سے استرشاد واستفادہ براہ راست عربی زبان پر موقوف ہے۔ (جاری ہے)